عدیلہ جوّاد
اسکالر پی ایچ ڈی اردو، شعبہ اردو، نمل، اسلام آباد۔
ڈاکٹر رخشندہ مراد
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نمل اسلام آباد۔

تدریس اردو زبان وادب کے مسائل
(منتخب نصابی کتب کا تنقیدی جائزہ)

Adeela Jawwad
Scholar PhD Urdu, Department of Urdu, NUML, Islamabad.
Dr. Rukhshanda Murad
Assistant Professor, Department of Urdu, NUML, Islamabad.

Pedagogical Issues in Urdu Language and Literature (A Critical Study of Selected Course Books)

Urdu, the national language of Pakistan is gradually fading. The reasons might be the lack of interest from students. No matter what grade they are in, they don't take this subject seriously that affects their grades as well. Furthermore, most of the content in the books is pretty lifeless and dull that can also be one of the reasons for Urdu's downfall. Apart from that, "Urdu as a second language" is mostly neglected or are is not given much importance like the other subjects. In my opinion if Urdu had not been compulsory for "BISE and "CAIE" the language would have lost it identity completely.

Key Words: *Teaching, Education, Learning process, Language learning skills, Selection of content.*

ہم جس خطہ میں آزدی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں وہ مملکت خداد پاکستان ہے یہ وہ ملک ہے جسے دو قومی نظریہ کے تحت اوراسلام کے نام پر حاصل کیا گیاہے اور اس کی قومی زبان اردو کو قرار دیا گیا۔ کسی قبیلے، گروہ یا قوم کی ترقی، شناخت اور سالمیت کے لیے ضروری ہے کہ ان کے درمیان رابطہ کی زبان ایک ہو جس کی بدولت وہ اپنے آپسی معاملات، گروہی اور قومی مشاورت کرتے ہو یہ زبان ان کے اندر یکجہتی پیدا کرتی ہے اور ایک ہونے کا احساس قائم رکھتی ہے۔ قیام پاکستان سے قبل اردو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بن کر ابھری اور پاکستان بننے کے بعد

اسے پاکستان کی قومی زبان کے درجے پر فائز کیا گیا کیونکہ یہ وہ زبان ہے جو پاکستان زیادہ تر حصے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر عطش درانی کہتے ہیں:

> ” اردو پاکستان کی طے شدہ قومی زبان ہے اردو پاکستان کی ثقافتی اور سماجی رابطے کی زبان بھی ہے پاکستان کے تمام لسانی خطوں کے افراد کے مابین افہام و تفہیم اور رابطے کے لیے اردو زبان ہی کام آتی ہے کیونکہ ایک پاکستانی بیک وقت تمام پاکستانی زبانوں مثلاً پنجابی، سرائیکی، سندھی، ہندکو، بلوچی، بلتی شینا، چترالی اور کشمیری پر عبور نہیں رکھ سکتا۔“(۱)

دوسری اہم بات یہی کہ یہ زبان کسی مسلک یا مذہب سے منسلک نہیں ہے یہ قوم کی زبان بن کر ابھری ہے۔ بڑے بڑے لشکروں، علاقائی شناخت رکھنے والوں اور جغرافیائی حدود کے بنا پر اپنی الگ پہچان رکھنے والوں کے لیے ایک الگ بولی یا زبان کی بہت اہمیت ہے زبان وہ علم ہے جس کے نیچے ایک ہجوم یا ایک جم غفیر قوم بن کر سامنے آتا ہے۔ ایک دوسرے کو یہ یقین دلا سکتا ہے کہ ہم ایک ہیں۔ قوموں کی زندگی میں زبان کو وہی حیثیت حاصل ہے جو جسم میں روح کو حاصل ہے۔ قومی زبان ہی وہ ذریعہ ہے جس میں قوم کی ترقی اور سرفرازی کا راز پنہاں ہیں اور جب قومیں اپنے اس قومی ورثے، اپنی شناخت سے منہ موڑ لیں یا اسے کمتر سمجھتے ہوئے نظر انداز کریں تو اس میں زبان کا نقصان بھی ہوتا ہے اور وہ قوم بھی اپنی شناخت گنوانے لگ جاتی ہے۔

> ”ہماری معاشرتی زندگی میں اردو زبان اس طرح شامل ہو گئی ہے کہ ہم اسے خود سے ایک لمحے کے لیے بھی اپنے گرد و پیش سے الگ نہیں کر سکتے۔ سندھی، پشتو، بلوچی اور پنجابی سب اپنے اپنے حلقوں سے نکل کر ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوتی ہیں لیکن اردو ہر علاقے اور ہر صوبے میں کم و بیش بولی اور سمجھی جاتی ہے پاکستان کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں اس کے بولنے اور سمجھنے والے کثیر تعداد میں موجود نہ ہو گویا اردو پاکستان کی وہ واحد زبان ہے جو بحیثیت مجموعی پاکستانی شہریوں کے باہم تبادلہ خیال کا ذریعہ ہے۔ دفتروں، ملوں اور کارخانوں سے لے کر صنعت و حرفت، تجارت اور عدالت کے ایوانوں تک اس کا دخل نظر آتا ہے۔“ (۲)

قومی زبان کا کردار بہت اہم ہے یہ وہ ہتھیار ہے جو قوموں کے انداز عمل اور فکر و فن میں یکسانیت پیدا کرتا ہے ایک ہونے کا ہمہ گیر احساس پیدا کر کے انہیں قوت بخشتا ہے مگر بد قسمتی سے ہم اردو سے سوتیلے پن کا سلوک روا رکھے ہوئے ہیں گو کہ یہ ایک اہم زبان ہے اور بین القوامی سطح پر اس کا ایک اہم مقام ہے۔ مگر پاکستان میں اسے آج تک سرکاری زبان کا درجہ نہیں دیا جاسکا کئی مرتبہ یہ اعلان کیے گئے مگر اس پر عمل درآمد نہیں کیا جاسکا ۔اگر اقوام عالم میں نظر دوڑائی جائے تو ہمیں جابجا ایسی مثالیں ملتی ہیں۔

جن قوموں نے آزادی کا پروانہ ملتے ہی پرائی زبانوں کی کینچلی اتاری اور اپنی زبان کو اپنایا۔ عرب،افریقی ممالک جن کی زبان صدیوں سے عربی تھی اور وہ ان کے لیے محترم و مقدس تھی نے انگریزی یا کسی اور ترقی یافتہ زبان کے بجائے عربی کو ہی سرکاری زبان کے درجے پا فائز کیا اگر اپنے بر اعظم پر نظر ڈالیں تو ایشیا میں چین میں چینی زبان دفتری و سرکاری زبان کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ چین اس بات پر فخر کرتا۔کچھ عشروں قبل تو چین کے باشندے چینی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں بات کرنا مثلاً فرانسیسی یا انگریزی زبان بولنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے اور اسے اپنی زبان کی توہین گردانتے تھے۔

اسی طرح اگر ہم دیگر ایشیائی ممالک کا جائزہ لیں تو ایران اور افغانستان بھی اپنی زبان فارسی سے جڑے نظر آتے ہیں ان ممالک میں دفتری اور سرکاری زبان کا درجہ فارسی کو حاصل ہے۔ جو ان کی قومی زبان ہے۔ اگر اپنی زبان کی محبت اور اہمیت کو دیکھیں تو ملائشیا کی روشن مثال ہمارے سامنے ہے ان کی قومی زبان مالی ہے۔ جس کا ذخیرہ الفاظ صرف ۲۰ ہزار الفاظ پر مشتمل تھا اور اسے ایک قومی زبان قرار دینا آسان نہ تھا مگر انہوں نے اپنی زبان کو ترقی دے کر اسے نہ صرف قومی زبان قرار دیا بلکہ سرکاری اور دفتری زبان بھی قرار دیا۔ بنگالی قوم بھی بنگلہ زبان کو اپنی سرکاری دفتری زبان بنا چکی ہے۔ اسی طرح اگر ہم اپنے خطے پر نظر ڈالیں تو صرف فلپائین، پاکستان اور انڈیا ہی ہیں جو ابھی تک اپنی سرکاری و دفتری زبان انگریزی کو ہی بنائے بیٹھے ہیں پاکستان میں تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر اسے اپنی زبان کو سرکاری بطور سرکاری زبان رائج کر دیا گیا تو اقوام عالم میں بہت سبکی ہو گی اور ہمیں غیر ترقی یافتہ سمجھا جائے گا جبکہ ناقدین ادب و زبان کی رائے اس سلسلے میں بالکل مختلف ہیں وہ قومی زبان کو پاکستان کی ترقی و کامیابی کا ضامن قرار دیتے ہیں۔ڈاکٹر جمیل جالبی کہتے ہیں۔

> ”پہلی بات تو یہ کہ اگر ہم سنجیدگی کے ساتھ اپنی ملکی مشینری کو تیز رفتاری اور صحیح رخ پر
> استوار کرنا چاہتے ہیں تو تین میدانوں میں فوری طور پر اردو نافذ کرنی ہو گی

۱۔　دفتری نظم کو اردو میں بدلنا ہو گا

۲۔　اردو کو تدریس کی زبان بنانا ہو گا

۳۔　مقابلے کے امتحان کے لیے اردو کو لازمی قرار دینا ہو گا۔" (۳)

اردو کو دفتری زبان بنانے اور تدریس کی زبان بنا کر ملکی ترقی کو صحیح رخ پر استوار کیا جاسکتا ہے مگر ہمارے ملک کا ۲۰ فیصد مراعات یافتہ طبقہ اس بات سے خائف ہے کہ اردو کو اس قدر اہمیت دی جائے کیونکہ اس طرح پوری قوم ایک معیار کے ساتھ سامنے آئے گی اور ایک زبان کے طفیل علمیت کے درجے تک پہنچے گی اور ملک دوسرے تعلیمی نظام سے جان چھڑا لے گا تو ان کا سراسر نقصان ہے ان کے تعلیم یافتہ بچے جو بھاری بھاری فیسوں کے عیوض اپنے ملک میں تعلیم حاصل کرتے ہیں یا بیرون ملک سے انگریزی کے مروجہ طرز تعلیم کے ذریعہ تعلیم حاصل کر کے سامنے آتے ہیں ان کے لیے ملک میں بڑی بڑی کرسیوں پر براجمان ہونا مراعات حاصل کرنا اور ملک کی خدمت کرنا مشکل ہو جائے گا کیونکہ انگریزی زبان ان کے کے لیے وہ ڈھال ثابت ہو رہی ہے جس کے پیچھے یہ اپنی کم علمی نالائقی اور جہالت چھپائے بیٹھے ہیں۔

ملک میں رائج تعلیمی نظام دو دو ٹکڑوں میں بٹا ہوا ہے ایک طرف تو انگریزی ذریعہ تعلیم ہے جو مختلف نجی اداروں میں بھاری بھاری فیسوں کے عوض دی جا رہی ہے یہ اسکول زیادہ تر پاکستان کے بڑے شہروں میں موجود ہیں کراچی، لاہور، اسلام آباد، کوئٹہ، پشاور میں ان درسی اداروں کی کئی کئی شاخیں قائم ہیں ان اداروں میں بات چیت کی زبان بھی انگریزی قرار دی جاتی ہے اور بعض اسکولوں میں تو اردو زبان بولنے پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں توجیہ یہ پیش کی جاتی ہے کہ یہ تو طلبہ کی بہتری کے لیے ہے تاکہ وہ بغیر جھجکے اور اٹکے انگریزی زبان پر عبور حاصل کر لیں اور مستقبل میں پیشہ وارانہ ذمہ داریاں با اعتماد طریقے سے ادا کر سکیں مگر اس طالب علم کا کیا جو اردو کو قابل جرمانہ زبان سمجھ رہا ہے اور اسے بولنے کو کمتر اور حقیر جان رہا ہے ان اداروں میں عموماً صرف ماماؤں اور چوکیداروں سے اردو زبان بولنے کی اجازت دی جاتی ہے طلبہ کو ایسی گفتگو اور آدھی چھٹی کے وقت بھی اردو بولنے کی اجازت حاصل نہیں ہوتی اس طرح وہ معصوم ذہن جو انگریزی کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ جاتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی ایک غیر ضروری اور غیر مفید زبان سمجھ لیتا ہے۔

ایسے اسکولوں میں تمام مضامین انگریزی زبان کے ذریعے سکھائے جاتے ہیں۔ سائنس، ریاضی، عمرانیات، وکالت، طبیعیات، کیمیا، اسلامیات، جغرافیہ، تاریخ، کمپیوٹر تمام مضامیں انگریزی زبان کے ذریعے

پڑھائے جاتے ہیں ۔ صرف لے دے کر ایک اردو کی تدریس ہے جو اردو میں کروائی جا رہی ہے وہ بھی شائد مجبوراً کیونکہ طلبہ نے اردو کا امتحان پاس کرنا ہے اور شکر ہے کہ ابھی تک پاکستانی طلبہ کے لیے یہ شرط قائم ہے۔ جس کی بدولت طلبہ تھوڑی بہت اردو پڑھ اور سیکھ جاتے ہیں اگر یہ شرط بھی ختم ہو گئی تو پھر تو اس زبان کا اللہ ہی حافظ و ناصر ہے۔

اسی طرح جو دوسرا نظام تعلیم اس ملک میں رائج ہے وہ سرکاری نظام تعلیم ہے جس میں تمام مضامین اردو میں پڑھائے جاتے ہیں اور تدریسی کتب بھی سرکاری تعلیمی اداروں سے چھپوائی جاتی ہیں ۔ سرکاری اسکول میں سرکاری ملازمت یافتہ اساتذہ تدریسی فرائض انجام دیتے ہیں اور پاکستان میں اس طرح کے تقریباً پانچ سرکاری تعلیمی بورڈ قائم ہیں جن میں پنجاب بورڈ، سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ جامشورہ، خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ اور فیڈرل بورڈ اور بلوچستان بورڈ شامل ہیں۔

ان اسکولوں میں گو کہ انگریزی زبان کو ثانوی حیثیت حاصل نہیں ہے اس لیے پرائمری کی سطح تک انگریزی تعلیم نہیں دی جاتی (ماسوائے فیڈرل بورڈ) باقی تمام صوبائی تعلیمی اداروں میں جماعت ششم سے انگریزی کی تعلیم و ترویج کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے اور اس کا معیار بھی اس قدر پست ہے کہ طالب علم دسویں جماعت تک اسے لکھنے اور پڑھنے کی مہارت حاصل نہیں کر پاتا۔ دونوں صورتوں میں نقصان طلبہ کا ہی ہو رہا ہوتا ہے انگریزی کو بالکل نظر انداز کر دینا یا اردو کو بالکل نظر انداز کر دینا مسئلے کا حل نہیں ہے۔

یہ دونوں تعلیمی نظام ملک میں دو طبقات کو جنم دے رہے ہیں ایک افسر شاہی جو اردو بولنے والوں اور اردو میں تعلیم حاصل کرنے والوں کو کم علم تصور کرتا ہے ور دوسرے کلرکوں کی آسامیوں کو پر کرنے والے اردو ذریعہ تعلیم سے پڑھے ہوئے خواندگان اردو کی تدریس کے حوالے سے بات کیجائے تو ہر دو نظموں میں خامیاں موجود ہیں مگر اردو زبان کی تدریس سرکاری اسکولوں میں پھر بھی بہت بہتر ہے ۔ مگر نجی اداروں میں اس کا کوئی پرسان حال نہیں ابتدائی جماعتوں کی کتب سے لے کر چاہے نظمیں ہو یا گیت۔ ابتدائی کتب ہو یا کہانیاں ہمیں کہیں بھی بچوں کی نفسیات کو سامنے رکھ کر نصاب کا تعین نہیں کر سکے۔ اس سلسلے میں ہر سطح پر درسی کتب کا اہتمام کیا جاتا ہے مگر درسی کتب کیا ہے؟ کیسی ہونی چاہیے کیا معیارات سامنے رکھ کر اسے ترتیب دیا جائے یہ سوالات جواب طلب ہیں اس سلسلے میں ایک Dictionary of education کے مطابق:۔

"1 Any manual of instruction

2 A book dealing with definite subject of study, systematically arranged, intended for use at specific level of instruction and used as principle source of study material for a given course"(4)

کتابیں ذریعہ تعلیم کا بنیادی اوزار ہیں یہ اساتذہ اور طلبہ کے لیے ایک ایسا بہترین معاون ہونی چاہیں کہ ان کی بدولت تدریس کا عمل دلچسپ، آسان اور فہم وادراک بڑھانے والا ہو اس کے ساتھ طلبہ میں اخلاقیات کی تربیت کا اہتمام کرے۔ کیونکہ عام طور پر علمی مضامین متعلقہ علم کی تدریس کے لیے اور اس علم کی مہارت حاصل کرنے کے نکتہ نظر سے ترتیب دیے جاتے ہیں مگر اردو اور اسلامیات اور تاریخ کے مضامین کا دامن اس حساب سے بہت وسیع ہے کہ یہ طلبہ کی تربیت، اخلاقی و تہذیبی شعور اور ذہنی تربیت کے بھی ذمہ دار ہیں اس لیے ان مضامین کی کتب و درسی کتب اس حوالے سے مزید نگرانی اور توجہ کی حقدار ہیں کہ یہ نابالغ بچوں کے کورے ذہنوں کے لیے ترتیب دی جارہی ہیں وہ ان میں موجود قصے کہانیوں اور نظموں اور گیتوں کے ذریعے ہی اور ان میں سمجھائی اور بتائی گئی حکایتوں کے خطوط پر ہی اپنی ذہنی تنظیم کرتے ہیں اور یہی وہ بچے ہیں جو انہی کتابوں کی بدولت ایثار قربانی، ہمدردی، محبت محب الوطنی، اسلام سے محبت، رسول خدا ﷺ کی الفت، ماں باپ کا احترام سیکھتے ہیں اور اپنے ارد گرد معاشرتی دائرے ترتیب دیتے ہیں۔

ماں باپ کا حق اور ان کی طرف بچوں کے فرائض بہن بھائیوں کی اہمیت، پڑوسیوں کے حقوق، طلبہ کا رویہ، خوش اخلاقی، لڑائی سے نفرت، اچھائی اور سچائی کی جیت، وطن، مذہب، قوم سے وفاداری یہ تمام ہماری درسی کتب میں موجود نظمیں اور گیت ہی ہمیں بتاتے ہیں گو کہ ہمارے اسباق میں ہماری کتابوں میں ایسے بہت سے انبیاو مرسلین کے واقعات، ولیوں کے حالات اور قائدین کی ذہانت پر مبنی واقعات موجود ہوتے ہیں مگر جو قصے اور کہانیاں ہم اپنی درسی کتب میں شامل کرتے ہیں بعض اوقات وہ اس معیار کی حامل نہیں ہوتیں جو کہ ہونا چاہیے خاص کر نجی اسکولوں میں پڑھائے جانے والے مختلف ریڈر اور درسی کتب اس معیار کی حامل نہیں ہیں۔ طلبہ جب اپنی کورس کی کتابیں خریدتے ہیں تو سب سے پہلے ان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس میں موجود اردو کی کتاب اٹھائیں اور تمام کہانیاں قصے پڑھ ڈالیں مگر بعض اوقات وہ کہانیاں اور قصے ان میں اچھائی کے جذبے کو بڑھاوا دینے کے بجائے بدی کی کشش یا اسے جاننے اور تلاش کرنے کی جستجو کی طرف مائل کرتے ہیں۔ اگر ہم اردو زبان میں بچوں کی نظموں کی

طرف نظر ڈالیں تو ہمیں اپنی اس کوتاہی کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔ ہم اپنے بچوں کو برے الفاظ کا تعارف خود کروا رہے ہوتے ہیں اور انہیں مذاق اڑانا اور تمسخر اڑانا سکھاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک اہم مسئلہ استاد کا انتخاب ہے سرکاری سطح پر اساتذہ کا انتخاب کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے۔ کہ انگریزی پڑھانے والا استاد کم از کم بی۔اے تک انگریزی پڑھ چکا ہو۔

عربی پڑھانے کے لیے استاد کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے جو عربی فاضل یا اختیاری مضامین میں عربی پڑھ چکا ہو اور یہ عمل درست بھی ہے کیونکہ دیگر علوم پر حانے اور لسانی تدریس میں فرق ہے ایسا انتخاب کرنا ضروری ہے مگر اردو کے ساتھ یہ شرط ضروری نہیں سمجھی جاتی عام مشاہدہ ہے کہ اسکولوں میں جو استاد دیگر مضامین پڑھانے میں ماہر محسوس نہیں ہوتا سے اردو کی تدریس سونپ دی جاتی ہے اور یہ تصور کر لیا جاتا ہے کہ اردو ہی تو پڑھانی ہے کیا مشکل ہے؟ جب کہ ایسا نہیں ہے اردو پڑھانا لسانی تدریس ہے جو کہ کئی مہارتوں کی متقاضی ہے۔

کسی بھی زبان کی تدریس کے لیے بنیادی طور پر چار مہارتیں سکھائی جاتی ہیں۔ جنہیں بالترتیب سننا، بولنا، پڑھنا اور لکھنا کہا جاتا ہے اردو کی تدریس کے لیے بھی یہی چار پیمانے موجود ہیں پاکستان میں چونکہ ایک بچہ اپنی ماں کی گود میں اپنی مادری زبان سیکھتا ہے ماں اسے مختلف بوریوں اور گیتوں کے ذریعے اسے سننا سکھاتی ہے پھر گھر میں رہنے والے افراد، گھر میں موجود مختلف میڈیا جسے ہم ٹی وی، یوٹیوب پر موجود نظمیں اور موبائیل کے مختلف ایپ جن میں موجود رنگین کارٹونی کردار جو مختلف نظمیں گا رہے ہوتے ہیں۔

بچہ ان سے پہلی لسانی مہارت سننا سیکھ جاتا ہے اور پھر اس کا علاقہ، محلہ اس کے اڑوس پڑوس کے دوست ساتھی اس کا خاندان جو اسے بولنا سکھاتے ہیں اور ابتدائی طور پر بچہ جو اپنی توتلی آواز میں دوسری لسانی مہارت حاصل کرتا ہے اور آہستہ آہستہ بولنا بھی سیکھ جاتا ہے۔ اگر بچے کی مادری زبان اردو ہے تو اس کے لیے اردو کوئی نامانوس زبان نہیں رہتی وہ ابتدائی چند سالوں میں اسے سننا وار بولنا سیکھ جاتا ہے مگر ہمارے ملک میں زیادہ تر آبادی ایسی ہے جس کی مادری زبان اردو نہیں ہے تو یہ فریضہ بھی اسکول کی ابتدائی جماعتیں سکھاتی ہیں جہاں مختلف نظموں اور گیتوں کے زریعے ابتدائی لسانی مہارت "سننا" کا انتظام کیا جاتا ہے اور آہستہ آہستہ بچہ بولنا سیکھتا ہے۔

ابتدائی دو تین جماعتوں میں (جنہیں کنڈر گارٹن یا مونٹیسوری نظام تعلیم نجی اسکولوں میں اور کچی جماعتیں سرکاری اسکولوں میں کہا جاتا ہے) بچہ یہ لسانی مہارتیں حاصل کر لیتا ہے اور تمام طلبہ چاہے ان کا تعلق کسی

بھی مادری زبان سے ہو عام طور پر اردو سننا اور بولنا سیکھ جاتے ہیں مگر س کے بعد دو اہم لسانی مہارتیں اس طرح نہیں سکھائی جاتیں اس سلسلے میں ڈاکٹر سلیمان اطہر کہتے ہیں۔

> "اردو کے تناظر میں لسانی کمزوریوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پاکستانی طالب علم جنھوں نے پاکستان کی فضائوں میں شعور کی آنکھ کھولی ہوتی ہے ، اس کے اندرونی حالات مثلاً پاکستان کی جغرافیائی حدود اور سرحدی مقامات ،معدنیات علاقائی فصلوں ،مشہور شہروں، تفریحی پہاڑی مقامات، معدنیات، تفریحی پہاڑی مقامات، اہمیت کی حامل فوجی چھائونیوں ، ملکی بندرگاہوں ، ہوائی اڈوں ، اہم صنعتوں ، ملکی زبانوں ، معیشیت اور ثقافت سے بالعموم بے خبر ہوتے ہیں۔"(۵)

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ اس سلسلے میں اساتذہ کرام کے انتخاب کا مرحلہ بہت اہم ہے مگر اس پر بالکل توجہ نہیں دی جاتی ایسے استاد جو کسی اور مضمون کی تدریس سے قاصر ہوں انہیں اردو پڑھانے پر معمور کر دیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ طالب علم جب تیسری اور چوتھی لسانی مہارت کی طرف آتا ہے تو اسکی دلچسپی صفر ہو کر رہ جاتی ہے اردو چونکہ ایک ایسی زبان ہے جس میں حروف کی کئی کئی اشکال ہیں اور انہیں شوشوں سے جوڑا جاتا ہے اگر استاد نے حروف تہجی اور ان کا Formate ترتیب دے کر نہیں سکھایا اور ابتدائی اشکال علمی مہارت سے نہیں سکھا پایا تو طالب میں اردو کی عمارت کی بنیاد ہی غلط رکھی جاتی ہے جس کا خمیازہ طالب علم بعض اوقات تمام عمر بھگتتا رہتا ہے تاحال کہ اسے کوئی قابل استاد مل سکے۔

استاد کا کردار بہت اہم ہے استاد ہی طلبہ کے دل میں مضمون سے دلچسپی کا عنصر پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور استاد ہی کسی مضمون سے بے رغبتی پیدا کرنے کی بھی بھرپور صلاحیتیں رکھتا ہے عام مشاہدہ ہے کہ اگر بچہ استاد کو پسند کرتا ہے تو اس مضمون میں جلد مہارت حاصل کر لیتا ہے جبکہ اگر طلبہ کے لیے استاد ناپسندیدہ شخصیت ہے تو ان کے لیے اس مضمون سے دلچسپی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ استاد جب تک اردو کی تدریس کے لیے کوشش نہیں کرے گا اسے دلچسپ بنانے کے لیے نئی نئی تکنیکی مہارتیں اور جدید طریقہ تدریس نہیں اپنائے گا پرانے اور دقیانوسی انداز اپنائے رکھے گا تو طلبہ کا رویہ بھی زبان کے لیے ناپسندیدہ ہو جائے گا۔

اگر ابتدائی جماعتوں کے طلبہ نے تیسری اور چوتھی لسانی مہارت پڑھنا اور لکھنا بہترین انداز میں سیکھ لیا تو یہ عمل بچے کی آئندہ آنے والی جماعتوں کو آسان بنا دیتا ہے لیکن اگر بچہ شوشوں اور اردو کی formation میں ہی

الجھا رہا تو آئندہ آنے والی جماعتوں کے تقاضوں (مضامین، خطوط، تشریحات، تبصرے، خلاصہ نگاری) کو بہترین انداز میں پورا نہیں کر پائے گا چونکہ بنیاد کمزور ہے اس لیے اسے اگلے درجات میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور مارے باندھے اگر وہ واجبی نمبروں سے جماعت پاس بھی کر گیا تو بھی عمر بھر اردو سے رغبت حاصل نہیں کر پائے گا اور اسے ایک مصیبت سے تعبیر کرے گا۔

استاد اور کتاب دونوں ہی اہمیت کے حامل عناصر ہیں اردو کی تدریس کے لیے دو طرح کی کتب دستیاب ہیں ایک تو وہ جو حکومت کے منظور شدہ تعلیمی و نصابی اداروں کے توسط سے شائع کی جاتی ہیں اور دوسرے وہ نجی ادارے جو بالکل آزاد ہیں اور جس طرح چاہتے ہی من چاہے مواد کے تحت کتب شائع کرتے ہیں گو کہ ان میں کتابت، تصاویر اور مروجہ رسم الخط واضح اور روشن الفاظ میں موجود ہوتا ہے کتاب کی ضخامت اور سائز بھی طلبہ کے لیے مناسب ہوتا ہے مگر بعض اوقات ان میں کئی مقامات پر اغلاط کی بھرمار ہوتی ہے کئی اسکول بھی اپنے شعبہ جات کے اساتذہ کی زیر نگرانی کتب چھاپتے ہیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں وہ کسی ادارے کو جوابدہ نہیں ہیں حالاں کہ اردو قاعدوں اور تدریسی کتب کے حوالے سے قومی ادارہ برائے نصاب ۲۰۲۲ کے مربوط نصاب میں اردو قاعدے کی تدوین کی بابت جو ہدایات ملتی ہیں وہ یہ ہیں۔

> ”جماعت اول کے ایک حصہ میں ابتدائی قاعدہ ہو گا جس میں حروف، ان کی شکلیں، ان کی آوازیں، اعراب اور سادہ الفاظ اور جملے لکھے جائیں اور حسب موقع و حسب ضرورت تصاویر دی جائیں، پڑھنا سکھانے کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن کی توضیح تصاویر کے ذریعے با آسانی کی جاسکتی ہو۔ ایک وقت میں ایک سے زیادہ حروف علت نہ پڑھائیں جائیں ہر نئی آواز کو سابقہ آوازوں سے مربوط کر کے نئے الفاظ بنائے جائیں اور ذخیرہ الفاظ میں بتدریج اضافہ کیا جائے۔“(۶)

یہ ایسے مربوط اصول ہیں جنہیں سامنے رکھنا از حد ضروری ہے تا کہ طلبہ میں با آسانی اردو کی تدریس و ترویج کا عمل جاری و ساری رہے اور طالب علم اس سے کچھ سیکھ بھی سکے مگر اس حوالے سے دیکھا جائے تو نجی پبلشرز ایسی کسی ہدایت کو ملحوظ خاطر رکھے بغیر کتب شائع کر رہے ہیں اور پرائیویٹ اسکولز ان سے استفادہ کر رہے ہیں پرائیوٹ اسکولز میں بھی اساتذہ کا حال سرکاری اسکولز سے مختلف نظر نہیں آتا انگریزی پڑھانے کے لیے تو کوشش

کی جاتی ہے کہ کوئی امریکہ یاانگلستان کے تعلیم یافتہ اساتذہ مقرر کیے جائیں تا کہ طلبہ میں تلفظ اور ادائیگی میں انگریزی زبان کی طرز پیدا کی جاسکے اور انہیں بھاری معاوضوں پر رکھا جاتا ہے۔

جبکہ انہی اداروں میں سب سے کم تنخواہ حاصل کرنے والے اساتذہ یا تو اسلامیات پڑھا رہے ہوتے ہیں یا اردو کی تدریس کے لیے رکھے جاتے ہیں اس لیے وہ ان کتب کے لکیر کے فقیر بن جاتے ہیں اور خود سے کوئی اقدام نہیں کرتے جبکہ زبان کی تدریس صرف درسی مشقوں سے نہیں کی جاسکتی اس کے لیے مزید کاوشیں درکار ہتی ہیں جبکہ یہ اساتذہ کتب میں موجود ٹائپنگ کی اغلاط بھی درست کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو زبان و قواعد کی اغلاط اور املاء ورموز او قاف کے مسائل کی نشاندہی تو مشکل امر ہے۔

ذاتی مشاہدہ ہے کہ ان پرائیویٹ اداروں سے شائع شدہ کتب زبانی اور اخلاق طور پر طلبہ کے لیے سود مند نہیں ان میں حکومتی قاعدوں اور کتب سے زیادہ خامیاں موجود ہیں۔ ان قاعدوں میں املا کی اغلاط اور رموز او قاف کی اغلاط عام ہے ایک ہی سیریز ایک قاعدے میں املا کسی اور طرح لکھتی ہے تو اسی پبلشرز کی کسی اور سلسلے کی کتب میں اسی لفظ کی املا کسی اور صورت میں موجود ہوتا ہے۔ اکثر مقامات پر رموز او قاف کی ضرورت کو اہمیت نہیں دی جاتی جملے کے اختتام پر ختمہ۔ چیزوں اور اسماء کے دو سے زیادہ آنے پر سکتہ بھی موجود نہیں ہوتا۔

بعض اوقات رسم الخط کو بھی پس پشت ڈال کر بچگانہ انداز میں لکھائی کی جاتی ہیں جو لفظ کے تلفظ کو غلط کر دیتی ہیں اور بعض اوقات معانی میں بھی تبدیلی کا موجب بنتی ہیں۔ اکثر مقامات پر جملے بے ترتیب ہوتے ہیں اور لفظوں کے آپسی ربط کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ کتب میں شامل نظموں کو شاعروں کے تعارف کے بغیر چھاپا جاتا ہے۔ بعض لوک کہانایاں کسی نجی پبلشر زنے پرائمری سطح پر شامل کی ہوتی ہیں تو وہ کہانیاں کوئی اور پبلشر ز وسطانی یا ثانوی سطح پر درسی کتب کا حصہ بنارہاہوتا ہے۔

ابتدائی کتب میں جہاں حروف سکھائے جارہے ہوتے ہیں کہ سامنے دی گئی شکل اس قدر غیر واضح ہوتی ہے کہ طلبہ اسے سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں اور پھر حروف کی اشکال سکھانے کے لیے ایسی تصاویر اور اشکال کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کے دیکھے بھالے ہوں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچہ ان اشکال و تصاویر کے طفیل انہیں یا د رکھے مگر بعض اوقات تصاویر ایسی مبہم اور نا قابل فہم ہوتی ہیں کہ انہیں سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ حروف کی بناوٹ کا خیال نہیں رکھا جاتا، عموماً ایسے الفاظ کو جو کسی لفظ سے نہ جڑتے ہوں شرارتی تو کہا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ یہ شرارتی حروف ہیں اور کسی اور حروف سے دوستی نہیں کرتے یعنی کسی لفظ کی جوڑ توڑ کی جائیں تو یہ الگ ہو جاتے ہیں

مگر کسی قاعدے میں نہیں دیکھا کہ اسکے ساتھ یہ بھی سمجھایا جائے کہ اگر حروف ان سے قبل لگایا جائے تو یہ دوستی کر لیتے ہیں مگر اپنے سے آگے بڑھنے والے حروف سے دوستی نہیں کرتے۔

مثلاً دادا میں سب شرارتی حروف ہیں مگر کوئی لفظ آپس میں نہیں جڑتا لیکن جب کوئی اچھا حرف ان سے پیچھے رہ جائے تو یہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ جوڑ لیتے ہیں مثلاً باجا، بندا، لڑکی وغیرہ اکثر قاعدے بھاری الفاظ کی ترتیب بھی درست نہیں کرتے بعض میں ان کی تعداد گیارہ ہے (بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، کھ گھ) بعض میں لھ بھ اضافہ کیا گیا ہے اور بعض میں اسے یے تک ہر لفظ کے ساتھ ھ کا اضافہ موجود ہے یہ قاعدے اردو کے کس ادارے سے منظور شدہ ہیں یا ان کی پروف ریڈنگ کون کر رہا ہے مقالہ نگار سمجھنے سے قاصر ہے۔

اس طرح ابتدائی سطح پر ہی کئی اغلاط موجود ہیں اسی پر آگے بڑھا جائے تو نظموں کی کتب موجود ہیں اور ان پرائیوٹ اسکولز میں بطور Reader پڑھائی جاتی ہیں جن میں چند کہانیاں اور ان سے متعلق تصاویر موجود ہیں ان کا جائزہ لیا گیا تو ان میں ایک مشہور اسکول کی طرف سے شائع شدہ Reader ہیں جو کہ ایک سلسلے کی صورت میں تمام جماعتوں کے لیے چھاپے جاتے ہیں ان میں رستم اور سہراب، شرارتیں، جلیبیاں شامل ہیں گو کہ ان کتب کی کتابت بہترین طرز پر کی گئی ہے۔

طباعت بھی بہت عمدہ ہے اوراق کا معیار بھی اعلیٰ ہے مگر رسم الخط نستعلیق نہیں ہے جو کہ پاکستان میں اردو کے لیے مروجہ رسم الخط ہے طالب جب اپنی درسی کتب میں کچھ اور دیکھتا ہے اور Reader اسے کچھ اور سکھا رہا ہوتا ہے تو یہ عمل بھی طلبہ میں اضطراب کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ پھر درسی کتب کے سامنے Reader چونکہ کہانیوں اور نظموں پر مشتمل ہے اس لیے وہ زیادہ پسندیدہ ہو جاتا ہے اور وہ اس کی لکھائی کو آسان اور دلچسپ خیال کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ آکسفورڈ کے کتب سلسلے موجود ہیں جو کہ او۔لیول یا کیمبرج طریقہ امتحانات کے حامل اسکولوں میں درسی کتب میں شامل کیے گئے ہیں ان کتب میں بھی کئی اغلاط موجود ہیں املا کے مسائل موجود ہیں مثال کے طور پر جماعت پنجم کے لیے رائج کتاب میں ایک حکایت موجود ہے جو کہ شیخ سعدی کی بوستان سے نقل شدہ ہے اس میں احسان جتانے کا لفظ باقاعدہ زیر کے ساتھ تحریر ہے اور اس سبق میں تین مرتبہ لکھا گیا ہے۔

گو کہ یہ پنجابی کا تلفظ ہے۔ اس لیے اگر استاد زبان پر مہارت نہیں رکھتا تو وہ اسے اسی طرح پڑھائے گا اور طالب علم اگلی جماعتوں کے ساتھ ساتھ ایسے کئی غلط الفاظ سیکھ لے گا اسی طرح ایک اور سلسلہ صریر خامہ کے نام سے

موجود ہے جس میں کئی اقسام کی اخلاقی اغلاط بھی موجود ہیں۔ ایسے اسباق موجود ہیں جن کا اس سطح پر موجود طلبہ کے لیے انتشار کا باعث بنتی ہے۔

سفارشات:

ان تمام پرائیویٹ اداروں اور پبلشرز کی شائع شدہ کتب کو سامنے رکھتے ہو ضرورت اس امر کی ہے کہ قومی ادارہ برائے نصاب نہ صرف سرکاری کتب کے لیے ہدایات دے بلکہ اسکولوں کی شائع شدہ اردو کی کتب اور پرائیویٹ اداروں سے شائع شدہ کتب کے لیے بھی منظوری لازمی قرار دے تاکہ معیاری کتب چھپ سکیں۔ اس سلسلے میں رسم الخط، تصاویر، املا کی اغلاط رموز او قاف کے مسائل اور تشدید والے الفاظ کو بطور خاص دیکھے۔

بھاری الفاظ کے حروف کا تعین کر کے ان کتب خانوں کو اس کا پابند بنایا جائے جن نجی تعلیمی اداروں نے ان کتب کو اپنے نصاب کا حصہ بنایا ہوا ہے ان کے لیے بھی منظوری لازمی قرار دی جائے ایسے ادارے تشکیل دیے جائیں جہاں سے پرائیویٹ اداروں کو اپنے نصاب کی منظوری کرانا لازم ہو۔ ان کتب کی قیمتوں اور معیار دونوں میں توازن کو مد نظر رکھا جائے۔ ان اداروں کے تحت چھپنے والی کتب میں موجود مواد کی چھپائی میں اس بات کو ملحوظ خاطر رکھا جائے کہ ان میں نہ تو لسانی سطح پر کوئی اغلاط موجود ہوں اور نہ ہی وہ اخلاقی سطح پر طلبا میں ایسے رجحانات پیدا کریں جو ملک و قوم یا ان کی ذات کے لیے نقصان دہ ثابت ہو۔

متن میں ایسے موضوعات اور واقعات شامل نہ کیے جائے جو ان کی عمر سے میل نہ کھاتا ہو۔ مزاح کے طور پر بھی ایسے قصے کہانیاں شامل نہ کی جائی جن کے طفیل کوئی اخلاقیات سے گری ہوئی حرکت کرنے والے ایک ہیرو کے طور پر سامنے آئے اور طلبہ اسے آئیڈیلائز کریں۔ ادبی سطح پر اس طرح کا مواد شامل نہ کیا جائے جو کسی بھی حیثیت میں یا کسی بھی دور میں متنازع رہا ہو یا ایسے مصنفین کا کلام یا نثر جو عمر سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔

حوالہ جات

۱۔ عطش درانی ڈاکٹر، جدید تقاضے، نئی جہتیں، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۲۰۰۶، صفحہ ۶۵

۲۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، تدریس اردو، اسلام آباد، صفحہ ۱۰۵۔

۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، نفاذ اردو کا مسئلہ، مقالہ، مشمولہ اردو کانفرنس خانیوال ۱۹۸۷، مطلع پبلی کیشنز خانیوال، ۱۹۸۹ صفحہ ۵۸۔

4. CV Good, Dictionary of Education, MC, hill inc., Newyark 1973, page 605

۵۔ سلیمان اظہر، ڈاکٹر، ثانوی زبان کی حیثیت سے اردو کی تدریس، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، صفحہ ۲۹۱۔

۶۔ مربوط نصاب، جماعت اول تا سوم، شعبہ نصابات اسلام آباد، وفاقی وزارتِ تعلیم، حکومتِ پاکستان، ۲۰۰۲ء، صفحہ ۳۴۔